اکائی نمبر 23 : حسرتؔ موہانی کی شاعری

ساخت

23.1 اغراض و مقاصد
23.2 تمہید
23.3 حسرت موہانی کی شاعری
23.3.1 حسرتؔ موہانی کا تعارف
23.3.2 حسرتؔ کی شعری خصوصیات
2233.3 سبق: حسرتؔ کی غزلوں کی تشریحات
(i) حسنِ بے پروا کو خود بین و خود آرا کر دیا
(ii) نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے
(iii) روشن جمالِ یار سے ہے انجمن تمام
23.4 آپ نے کیا سیکھا؟
23.5 اپنا امتحان خود لیجیے
23.6 فرہنگ
23.7 سوالوں کے جوابات
23.8 کتب برائے مطالعہ

23.1 اغراض و مقاصد

- حسرتؔ موہانی کے حالابِ زندگی سے واقف ہوں گے۔
- حسرتؔ موہانی کے حالاتِ زندگی سے واقف ہوں گے۔
- حسرتؔ موہانی کے کلام کی خصوصیات کو بیان کر سکیں گے۔
- حسرتؔ موہانی کے ہم عصر شعرا کے بارے میں جان سکیں گے۔
- حسرت موہانی کی غزلوں کے موضوعات اور ان کے برتنے کے طریقۂ کار سے واقف ہوں گے۔
- حسرت موہانی کی تین غزلوں کی تشریح کو سمجھ سکیں گے۔

23.2 تمہید :

حسرت کا زمانہ 19 ویں صدی کا ربع آخر اور بیسویں صدی کا نصف اوّل کا زمانہ ہے۔ یہ زمانہ سیاسی، معاشی اور ادبی اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ یہی وہ دور ہے جب سرسید اور حالؔی کی اصلاحی تحریک زندگی کے ہر شعبے میں مثبت طور پر اثر انداز ہو رہی تھی۔ لوگ ادب کی افادیت کے قائل ہو گئے تھے۔ شاعری کا مزاج یکسر بدل چکا تھا۔ لوگوں کی توجہ غزل سے ہٹ کر نظم اور نظم جدید کی طرف زیادہ ہوگئی تھی۔ شاعری میں ہیئت اور موضوعات کے اعتبار سے نئے نئے تجربے ہو رہے تھے۔ ایسے میں مکمل آزادی کے طلب گار، قوم کے خدمت گزار اور ادب کے پرستار حسرتؔ موہانی نے اردو شاعری کے چمن میں قدم رکھا اور شاعری کے اس شجر کی آبیاری کر کے اُسے نئی زندگی بخشی اور خالص عشقیہ شاعری میں اپنی فکر کا ایوان تعمیر کیا۔ سیاست کے ساتھ شاعری اور وہ بھی غزل کی روایات کو برقرار رکھنا ایک مشکل کام تھا لیکن حسرتؔ نے اسے ممکن کر دکھایا۔ انھوں نے غزل کی آبرو اس وقت رکھ لی جب یہ بہت بدنام اور ہر طرف سے نرغے میں تھی۔ حسرتؔ کے ہم عصر شعرا میں، جنھوں نے غزل کی طرف توجہ کی، فانؔی بدایونی، اصغرؔ گونڈوی، جگرؔ مرادآبادی اور فراقؔ گورکھپوری خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ یہ سبھی شعرا انفرادی رنگِ طبیعت کے مالک ہیں لیکن ان میں حسرتؔ کا رنگ سب سے نمایاں ہے۔

23.3 حسرت موہانی کی شاعری

23.3.1 حسرتؔ موہانی کا تعارف

حسرتؔ موہانی کا پورا نام سید فضل الحسن تھا۔ وہ 1881 میں ضلع اناؤ کے قصبہ موہان میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق ایک زمین دار اور علمی گھرانے سے تھا۔ زمانے کے رواج کے مطابق ان کی ابتدائی تعلیم گھر اور مکتب میں ہوئی۔ 1894 میں موہان مڈل اسکول سے مڈل اور 1898 میں گورنمنٹ ہائی اسکول، فتح پور سے انٹرنس کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ عربی و فارسی کی تعلیم بھی یہیں مکمل ہوئی۔ 1898 میں علی گڑھ کے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج (M.A.O. College) میں ایف۔ اے۔ میں داخلہ لیا جو ان کی زندگی کے لیے ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔ حسرتؔ کی نرالی وضع قطع اور ان کے ایک ہاتھ میں چھتری اور دوسرے میں پاندان دیکھ کر علی گڑھ کے لڑکے انھیں 'خالہ جان' کے لقب سے پکارتے تھے لیکن اپنی غیر معمولی صلاحیتوں اور لیاقتوں کی بنا پر بہت جلد انھوں نے وہاں کے علمی و ادبی حلقوں میں ایک خاص جگہ بنالی اور مولانا کے نام سے یاد کیے جانے لگے۔ وہ کالج یونین کے جلسوں میں تقریریں کرتے، مباحثوں میں حصّہ لیتے، مشاعروں میں غزلیں پڑھتے۔ وہ بات کے دھنی اور اصولوں کے پکے تھے۔ غلط بات گوارا نہیں کرتے تھے۔ انھیں غلامی اور انگریزی حکومت سے سخت نفرت تھی۔ اپنے انقلابی خیالات کی وجہ سے بہت جلد علی گڑھ کے سامراج نواز حلقے کے لیے ایک مسئلہ بن گئے تھے۔

حسرتؔ موہانی دو سال تک 'انجمن اردوئے معلّٰی' کے ناظم رہے۔ 1903 میں انھوں نے اس انجمن کے تحت ایک مشاعرے کا

اہتمام کیا جس میں غیر اخلاقی شعر پڑھے جانے کا الزام لگا کر انھیں کالج سے نکال دیا گیا لیکن بی۔اے۔ کے امتحان میں شرکت کی اجازت مل گئی تھی۔ چنانچہ علی گڑھ شہر کے محلّہ رسل گنج میں کرائے کا مکان لے کر رہنے لگے اور امتحان میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد انھیں LLB میں داخلہ مل گیا تھا لیکن ہاسٹل میں رہنے کی اجازت نہ ملنے اور وکالت کا پیشہ مزاج کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے ارادہ ترک کر دیا۔ لہٰذا ملک وقوم کی خدمت کرنے اور شعر وسخن کو فروغ دینے کے لیے خود کو وقف کر دیا۔ اب ان کی ادبی اور سیاسی سرگرمیوں میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔

1903 میں خاندان کی ایک تعلیم یافتہ خاتون نشاط انسا بیگم سے ان کی شادی ہوئی جو ہر مشکل گھڑی میں حسرت کو سہارا دینے اور ان کے حوصلے کو بلند رکھتیں۔ اسی سال انھوں نے رسالہ 'اردوئے معلّٰی' جاری کیا۔ 1905 میں وہ سودیشی تحریک میں شامل ہو گئے اور اپنے ملک کی بنی ہوئی چیزوں کے استعمال کرنے پر زور دیا۔ انھوں نے خود اس پر عمل کیا اور اس کے لیے ایک سودیشی اسٹور بھی کھولا۔ مشکل حالات میں بھی انھوں نے اسے کامیابی سے چلایا۔ وہ ایک عملی آدمی تھے۔ قومی بھلائی کے لیے ہر کام میں دل و جان سے شریک رہتے۔ حق بات کہنے کے لیے کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ انتہائی بے باک تھے۔

'اردو معلّٰی' کے اپریل 1908 کے شمارے میں ایک باغیانہ مضمون کی اشاعت کے سلسلے میں ان پر مقدمہ چلا۔ دو سال قید با مشقت کی سزا ہوئی اور پانچ سو روپے جرمانہ جس کے لیے ان کا قیمتی کتب خانہ کوڑیوں کے بھاؤ نیلام کر دیا گیا۔ حسرت کے باغیانہ خیالات اور پرجوش طبیعت کی بنا پر اب انگریزی حکومت انھیں پریشان کرنے کے لیے طرح طرح کے بہانے تلاش کرنے لگی۔ 1913 میں ان کا پریس تین ہزار روپے کی ضمانت کے بدلے ضبط کر لیا گیا۔ 1916 میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مخصوص کردار کی بحالی کے لیے آواز اٹھانے پر وہ دو بات گرفتار کر لیے گئے۔ رہائی کے بعد ان کے سیاسی خیالات میں مزید شدت پیدا ہوگئی اور آزادی کی جدوجہد میں پوری طرح لگ گئے۔ سیاسی اعتبار سے وہ کانگریس کے انتہا پسند گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ تحریکِ آزادی کو 'انقلاب زندہ باد' کا نعرہ دینے والے حسرتؔ موہانی ہی تھے۔ اسی دوران ان کی توجہ خلافت تحریک اور ترکِ موالات کی طرف بھی ہوگئی تھی۔ دسمبر 1921 میں انھوں نے ہندوستان 'مکمل آزادی' کی تجویز اس وقت پیش کی جب مہاتما گاندھی جیسے رہنما اس خیال سے کوسوں دور تھے۔ 1922 میں مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارتی تقریر پر ان پر مقدمہ چلا اور دو سال کے لیے تیسری اور آخری بار وہ پھر گرفتار کر لیے گئے۔ ان کا تعلق کمیونسٹ پارٹی سے بھی تھا لیکن آخر عمر تک وہ ایک سچے اور پکے مسلمان تھے۔ ان کے جذبۂ آزادی کو دیکھتے ہوئے انھیں 'رئیس الاحرار' کے خطاب سے نوازا گیا۔ 1946 میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر یوپی اسمبلی کے اور آزادی کے بعد پارلیمنٹ کے ممبر چنے گئے۔ انھوں نے گیارہ حج کیے لیکن انتہائی سادگی کے ساتھ 13 مئی 1951 کو ان کا انتقال لکھنؤ میں ہوا۔ ان کا مزار فرنگی محل کے قبرستان میں ہے۔

حسرتؔ نے سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ علمی و ادبی سرگرمیاں بھی برابر جاری رکھیں۔ تقریباً سات ہزار اشعار پر مشتمل تیرہ دیوان یادگار چھوڑے۔ شاعری کی خوبیوں اور خامیوں سے متعلق ان کی تین کتابیں ـــ متروکاتِ سخن، مصائبِ سخن اور محاسنِ سخن ـــ بہت مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ 'انتخابِ سخن' کے نام سے سو سے زیادہ شاعروں کے کلام کا انتخاب گیارہ حصوں میں شائع کرایا۔

23.3.2 حسرتؔ کی شعری خصوصیات :

حسرتؔ ایک کامیاب سیاست داں ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ اگرچہ ان کی زندگی میں مصیبتوں اور پریشانیوں کی کمی نہ تھی لیکن شاعری میں بجز دو ایک شعر کے، کہیں پریشانیوں کا ذکر نہیں ملتا۔ انھوں نے جینے کا عجب ڈھب نکالا تھا۔ چکّی کی مشقت اور مشقِ سخن میں انھوں نے کچھ ایسی مطابقت، پیدا کرلی تھی کہ ان کے لیے دونوں لازم وملزوم ہوگئے تھے۔ بارہ برس کی عمر میں انھوں نے شاعری کی ابتدا کی اور تخلّص 'حسرتؔ' اختیار کیا۔ شہرت اسی نام سے بھی ملی ان کا خود خیال ہے ۔

عشق نے جب سے کیا حسرتؔ مجھے　　　　کوئی بھی کہتا نہیں فضل الحسن

حسرت کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ غزل کے مردہ جسم میں انھوں نے نئی روح پھونکی اور تقریباً نصف صدی تک سب سے بدنام صنف سخن میں تازگی اور ترنم کا رنگ بھرتے رہے۔ غزل حسرتؔ کی عشقیہ شاعری کا محور ہے جس کے گرد ان کے تمام تصورات گردش کرتے ہیں۔ حسرت کو غزل سے ایک خاص مناسبت ہونے کی وجہ ان کی اپنی طبیعت کی یک رنگی تھی اور یہی سبب ہے کہ موضوعات کے اعتبار سے حسرت کی شاعری کافی حد تک یک رنگی کی شکار ہے۔ حسرت کے کلام کی سب سے بڑی خوبی ان کا انداز بیان ہے جس کی وجہ سے پرانے خیالات بھی نئے معلوم ہوتے ہیں اور پڑھنے والا ایک نئی کیفیت سے آشنا ہوتا ہے۔ ان کے کلام میں سادگی اور دل پر اثر کرنے والی کیفیت نمایاں ہے۔ ان کا شاعرانہ اصول یہ تھا کہ ۔

شعر دراصل ہیں وہی حسرتؔ　　　　سنتے ہی دل میں جو اتر جائیں

حسرت کا کلام ذاتی محسوسات، جذبات اور واردات کا آئینہ دار ہے۔ ماورائیت اور آفاقیت کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ لب و لہجے میں صداقت ہے، پورے کلام میں رنگینی اور بیان کی شیرینی کی فضا قائم ہے جو عشق و محبت کی مختلف کیفیات کو ظاہر کرتی ہے۔ ان کا تصورِ عشق فلسفیانہ اور روایتی نہیں بلکہ مادی اور حقیقی ہے۔ ان کا محبوب گوشت پوست کا بنا ایک انسان یعنی کائنات کی لطیف جنس عورت ہے۔ جذبات کے اظہار میں حسرت نے متانت اور سنجیدگی کا پورا خیال رکھا ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری کو ہوس ناکی اور ابتذال کی ہوا نہیں لگنے دی۔ اس میں ایک طرح کا وقار، خلوص، پاکیزگی اور اخلاق سبھی کچھ موجود ہے۔ دل کش اور حسین تراکیب بھی حسرت کے کلام کی ایک نمایاں خوبی ہے اس سے کلام میں ترنّم، روانی اور صوتی دلکشی پیدا ہوگئی ہے۔ انھوں نے میرؔ، غالبؔ، مومنؔ، مصحفیؔ، نسیمؔ تقریباً سبھی اساتذہ سے فیض اٹھایا ہے اور ان سبھی کے رنگوں کو ملاکر اپنا ایک الگ رنگ بنایا ہے۔ ان کی شاعری دہلی کی بہ نسبت لکھنوی دبستان سے زیادہ قریب ہے۔ ان کی طویل شعری خدمات کی بنا پر انھیں 'رئیس المتغزلین' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

23.3.3 حسرتؔ موہانی کی غزلوں کی تشریحات

غزل 1

حسنِ بے پروا کو خود بین و خود آرا کر دیا
کیا کیا میں نے کہ اظہارِ تمنا کر دیا

بڑھ گئیں تم سے تو مل کر اور بھی بے تابیاں
ہم یہ سمجھے تھے کہ اب دل کو شکیبا کر دیا

ہم رہے یاں تک تری خدمت میں سرگرم نیاز
تجھ کو آخر آشنائے نازِ بے جا کر دیا

عشق سے تیرے بڑھے کیا کیا دلوں کے مرتبے
مہر زرّوں کو کیا قطروں کو دریا کر دیا

کیوں نہ ہوں تیری محبت سے منور جان و دل
شمع جب روشن ہوئی گھر میں اجالا کر دیا

تیری محفل سے اٹھاتا غیر مجھ کو، کیا مجال
دیکھتا تھا میں کہ تو نے بھی اشارا کر دیا

سب غلط کہتے تھے لطفِ یار کو وجہ سکوں
دردِ دل اس نے تو حسرتؔ اور دونا کر دیا

تشریح

حسنِ بے پروا کو خود بین و خود آرا کر دیا
کیا کیا میں نے کہ اظہارِ تمنا کر دیا

شاعر اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب تک میں نے اپنے محبوب سے اپنی آرزو کا اظہار نہیں کیا تھا اس وقت تک وہ اپنے حسن سے آگاہ نہیں تھا۔ لیکن جیسے ہی میں نے اپنی تمنا کا اظہار کیا تو وہ خود کو دیکھنے اور بننے سنورنے کے لائق ہوگیا۔ یعنی اب وہ اپنی ذات پر نظر رکھنے لگا اور کسی قدر مغرور بھی ہوگیا۔

بڑھ گئیں تم سے تو مل کر اور بھی بے تابیاں
ہم یہ سمجھے تھے کہ اب دل کو شکیبا کر دیا

محبوب کی جدائی میں عاشق کی بے تابی اور بے چینی بڑھی ہوئی ہے۔ اس نے اپنی بے چینی کو دور کرنے اور غم کو غلط کرنے کے لیے محبوب سے ملنے کا منصوبہ بنایا کہ شاید دل کو صبر آجائے اور سکون مل جائے لیکن اس کا یہ خیال غلط نکلا کیوں کہ محبوب سے ملتے ہی اس کی بے تابیوں اور بے چینیوں میں مزید اضافہ ہوگیا۔

ہم رہے یاں تک تری خدمت میں سرگرم نیاز
تجھ کو آخر آشنائے نازِ بے جا کر دیا

عاشق کو معشوق کی ہر ادا پسند ہوتی ہے۔ وہ ہر وقت اس کی دل جوئی اور دل داری کرتا رہتا ہے۔ ہر وقت وہ اس کی خدمت میں عاجزی کے ساتھ مصروفِ عمل رہتا ہے۔ اسی بات کو شاعر اپنے محبوب سے کہتا ہے کہ ہم تیری خدمت میں یہاں تک سرگرم رہے کہ اب بے جا ناز سے بھی تجھ کو آشنا کر دیا۔ یعنی معمولی باتوں پر بھی اب تجھے فخر اور غرور ہونے لگا ہے۔

عشق سے تیرے بڑھے کیا کیا دلوں کے مرتبے
مہر زرّوں کو کیا قطروں کو دریا کر دیا

شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تیرے عشق سے میرے دل کی قدر و قیمت میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ہے۔ اب مجھے اپنی ذات پر بھی فخر اور غرور ہونے لگا ہے۔ کیوں کہ اب میرے دل و نگاہ میں اتنی وسعت پیدا ہو گئی ہے کہ ذرّے بھی اب مجھے سورج نظر آتے ہیں اور قطرے میں دریا دکھائی دیتا ہے۔ یہ شعر عشق حقیقی اور مجازی دونوں پر صادق آتا ہے۔

کیوں نہ ہوں تیری محبت سے منور جان و دل
شمع جب روشن ہوئی گھر میں اجالا کر دیا

یہ شعر بھی عشق حقیقی اور مجازی دونوں پس منظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ شاعر نے اپنے محبوب کی محبت کو شمع اور اپنے دل کو گھر کی مانند بتایا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جس طرح شمع روشن ہونے پر گھر میں اجالا ہو جاتا ہے اسی طرح یار کی مہربانیوں اور عنایتوں نے میرے دل و جان کو روشن کر دیا ہے۔ یعنی اب میری قدر و قیمت میں اضافہ ہو گیا ہے اور زندگی بامقصد ہو گئی ہے۔

تیری محفل سے اٹھاتا غیر مجھ کو، کیا مجال
دیکھتا تھا میں کہ تو نے بھی اشارا کر دیا

شاعر کہنا چاہتا ہے کہ دوست کی محفل غیروں سے آباد ہے۔ میں بھی جا کر جیسے ہی بیٹھا یا بیٹھنے کی کوشش کی تو لوگوں نے مجھے اٹھا دیا۔ اسی بات کو شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے' مجھے تیری وفاداری اور محبت پر اتنا یقین تھا کہ تیری محفل سے مجھے غیر اٹھاتے اتنی ہمت نہیں تھی۔ لیکن میری حیرت کی اس وقت انتہا نہ رہی جب میں نے یہ دیکھا کہ مجھے محفل سے اٹھ جانے کا اشارہ تو نے کیا ہے اور مجھے تیری بات ماننی ہے کیونکہ تیری رضا ہی میں خوشی ہے۔

سب غلط کہتے تھے لطفِ یار کو وجہ سکوں
دردِ دل اس نے تو حسرتؔ اور دونا کر دیا

یعنی کے اعتبار سے یہ شعر دوسرے شعر سے ملتا ہے۔ لوگوں کا عام خیال ہے کہ دوست کی محبت اور مہربانی سکون کی وجہ ہوتی ہے۔ لیکن جب شاعر کو اس کا تجربہ ہوا تو پتا چلا کہ لوگوں کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اس کے برعکس یار کی مہربانیوں سے دردِ دل یعنی بے چینی اور بے تابی میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔

غزل 2

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبیِ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

دلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

خرد کا نام جنوں پڑ گیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ترے ستم سے میں خوش ہوں کہ غالباً یوں بھی
مجھے وہ شاملِ اربابِ امتیاز کرے

غمِ جہاں سے جسے ہو فراغ کی خواہش
وہ ان کے دردِ محبت سے سازباز کرے

غمِ جہاں سے جسے ہو فراغ کی خواہش
وہ ان کے دردِ محبت سے ساز باز کرے

امیدوار ہیں ہر قسمت عاشقوں کے گروہ
تری نگاہ کو اللہ دل نواز کرے

ترے کرم کا سزاوار تو نہیں حسرتؔ
اب آگے تیری خوشی ہے جو سرفراز کرے

تشریح:

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبیِ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

شاعر کا خیال ہے کہ محبوب یا دوست کی محبت بھری نگاہ جس پر پڑ جائے اور وہ اسے اپنا رازداں بنالے تو پھر ایسی کوئی وجہ نہیں ہے کہ عاشق اپنی قسمت کی بلندی پر ناز نہ کرے۔ یعنی اسے اپنے اوپر فخر اور غرور کرنے کا سراسر حق ہے کہ اسے کسی نے محبت اور جادو بھری نگاہ سے دیکھا ہے اور اپنا ہم راز بنایا ہے۔

دلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

عاشق اپنے معشوق کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تیری محبت سے پیدا شدہ دیوانگی نے میرے دل کو دنیا جہاں کے غموں سے نجات دلا دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں تیری محبت سے ملنے والا غم مجھ پر اتنا حاوی ہوگیا ہے کہ اس آگے دنیا جہان کے غموں کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور مجھے س میں ایک طرح کا کیف و سرور حاصل ہو رہا ہے۔ لہٰذا خدا سے میر دعا ہے میرے دل میں تیری محبت اور چاہت کا یہ سلسلہ طویل سے طویل تر ہو جائے۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اس شعر کے پہلے مصرعے میں صنعتِ تضاد ہے جسے خرد اور جنون جیسے لفظوں سے ظاہر کیا گیا ہے۔ شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہے کہ تیرے حسن و جمال یعنی خوب صورتی میں کرشمے جیسا اثر ہے۔ اس اثر کی وجہ سے دیوانگی اور ہوش و خرد میں امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں شاعر یہی کہنا چاہتا ہے کہ جو تجھے ایک بار دیکھ لے وہ دیوانہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور اس کے لیے دیوانگی اور ہوش مندی میں فرق کرنا مشکل ہو جائے گا۔

ترے ستم سے میں خوش ہوں کہ غالباً یوں بھی
مجھے وہ شاملِ اربابِ امتیاز کرے

اردو شاعری میں عام طور پر محبوب کو ستم پیشہ اور جفا شعار یعنی ظلم و ستم کرنے والا سمجھا گیا ہے۔ اسی نکتے کو ذہن میں رکھتے ہوئے شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہے کہ تیرے ستم سے، جو ایک طویل عرصے یا ابتدائے عشق سے جاری ہے، میں ناراض ہونے کے بجائے خوش ہوں کہ شاید اسی بنا پر اللہ تعالیٰ مجھے امتیازی حیثیت رکھنے والوں یعنی خاص بندوں میں شامل کر لے۔ دوسرے لفظوں میں تیرے ستم کو نالہ و فریاد کیے بغیر سہتے رہنے سے میری قدر و قیمت میں اضافہ ہو جائے گا۔

غمِ جہاں سے • جسے ہو فراغ کی خواہش
وہ ان کے دردِ محبت سے ساز باز کرے

شاعر کہتا ہے کہ جو شخص دنیا کے غم سے فرصت پانے یا چھٹکارا حاصل کرنے کا خواہش مند ہے اسے چاہیے کہ وہ محبوب کے دامن سے وابستہ ہو جائے۔ یعنی محبت سے ملنے والے درد و غم میں مبتلا ہو جائے۔ ان سے سمجھوتہ کرلے۔ دنیا کے غم کی پھر کوئی حقیقت نہیں رہ جائے گا۔ معنی کے اعتبار سے یہ شعر دوسرے شعر سے ملتا جلتا ہے۔

امیدوار ہیں ہر قسمت عاشقوں کے گروہ
تری نگاہ کو اللہ دل نواز کرے

شاعر کہنا چاہتا ہے کہ محبوب کی نگاہِ کرم اور محبت کی وجہ سے ہر طرف اس کے چاہنے والوں کا ہجوم ہے۔ شاعر کے لیے یہ بات

حیرانی بلکہ کسی قدر رقابت کا سبب بنی چاہیے لیکن ایسا نہیں ہے۔ اس کے برعکس وہ دعا گو ہے کہ محبوب کی نگاہ زیادہ سے زیادہ دل نوازی یعنی لوگوں کو خوش کرنے کا سبب بنے۔ عشق مجازی کے علاوہ اسے تصوف اور عشق حقیقی کے پس منظر میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

ترے کرم کا سزاوار تو نہیں حسرتؔ
اب آگے تیری خوشی ہے جو سرفراز کرے

مقطعے میں شاعر نے اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار کیا ہے۔ محبوب کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ میں تیرے کرم کا حق دار بالکل نہیں ہوں۔ لیکن مایوس بھی نہیں ہوں۔ اب آگے تیری مرضی اور خوشی ہے یعنی تجھے اختیار ہے کہ میرے درجات بلند کرے یا نہ کرے۔ یہاں لفظ 'خوشی' سے محبوب کی اعلاظرفی کی بھی اظہار ہو رہا ہے کہ وہ یقیناً سرفراز کر کے رہے گا۔ یعنی اپنے کرم کا مستحق مجھے بھی سمجھے گا۔

غزل 3

روشن جمالِ یار سے ہے انجمن تمام
دہکا ہوا ہے آتشِ گل سے چمن تمام

حیرت غرورِ حسن سے، شوخی سے اضطراب
دل نے بھی تیرے سیکھ لیے ہیں چلن تمام

اللہ رے جسمِ یار کی خوبی کہ خود بخود
رنگینیوں میں ڈوب گیا پیر ہن تمام

دل خون ،ہو چکا ہے، جگر ہو چکا ہے خاک
باقی ہو میں، مجھے بھی کرا لے تیغ زن تمام

دیکھو تو چشم یار کی جادو نگاہیاں
بے ہوش اک نظر میں ہوئی انجمن تمام

اچھا ہے اہلِ جور کیے جائیں سختیاں
پھیلے گی یوں ہی شورشِ حبِّ وطن تمام

سمجھے ہیں اہلِ شرق کو شاید قریبِ رگ
مغرب کے یوں ہیں جمع یہ زاغ و زغن تمام

شیرینیِ نسیم ہے سوز و گدازِ میر
حسرتؔ ترے سخن پہ ہے لطفِ سخن تمام

تشریح:

روشن جمالِ یار سے ہے انجمن تمام
دہکا ہوا ہے آتشِ گل سے چمن تمام

شاعر اپنے محبوب کے بارے میں کہتا ہے کہ اس کے جمال یعنی خوب صورتی سے پوری انجمن خود بخود روشن ہوگئی ہے۔ دوسرے مصرعے میں 'آتش گل' استعارے کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد محبوب کا سرخ اور تمتماتا ہوا چہرا ہے۔ شاعر نے محبوب کے چہرے کو گلاب کہا ہے اور گلاب آگ کی مانند سرخ ہوتا ہے۔ لہٰذا محبوب کے حسین چہرے سے پورا چمن یعنی انجمن مہک گئی ہے یعنی روشن ہوگئی ہے۔ اس شعر کو عشق حقیقی کے تناظر میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

حیرت غرورِ حسن سے، شوخی سے اضطراب
دل نے بھی تیرے سیکھ لیے ہیں چلن تمام

یہاں شاعر نے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ عاشق کی ذات میں معشوق کا عکس نمایاں ہوگیا ہے۔ یہ قدرتی بات ہ کہ عاشق کو معشوق کی ہر ادا پسند ہوتی ہے اور ان اداؤں سے وہ نہ صرف لطف اندوز ہوتا ہے بلکہ اسے ایک طرح کی طمانیت اور سکون کا احساس ہوتا ہے۔ محبوب کو اپنی خوب صورتی کے احساس سے ایک طرح کا تکبر اور غرور پیدا ہوگیا ہے جس پر عاشق کو حیرت اور اس کی شوخیوں اور اداؤں سے بے چینی ملی ہے۔ یعنی عاشق کے دل نے محبوب کے تمام طور طریقے اختیار کر لیے ہیں۔

اللہ رے جسمِ یار کی خوبی کہ خود بخود
رنگینیوں میں ڈوب گیا پیرہن تمام

جسم یار سے مراد دوست یعنی محبوب کا جسم یا سراپا ہے۔ پیرہن بمعنی لباس۔ شاعر اپنے محبوب کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ اتنا خوب سورت ہے کہ کوئی بھی لباس پہن لے تو وہ خود بخود رنگین یعنی خوبصورتی کے لیے لباس کا خوب صورت اور رنگین ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ لباس خود محتاج ہے محبوب کی خوبصورتی اور رنگینی کا۔ ترکیب 'اللہ رے' سے شاعر نے اپنی حیرت اور خوشی دونوں کا اظہار کیا ہے۔

دل خون ہو چکا ہے، جگر ہو چکا ہے خاک
باقی ہوں میں، مجھے بھی کرا لے تیغ زن تمام

شاعر عشق و محبت میں اپنے اوپر گزری ہوئی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے اپنے محبوب سے کہتا ہے کہ تیری محبت میں میرے دل کو سخت تکلیف پہنچی ہے اور میرا جگر تباہ و برباد ہوگیا ہے۔ اب میرے جینے کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ میری باقی زندگی بھی تیرے ہاتھ

میں ہے۔ اب تو مجھے بھی تمام یعنی ختم کردے۔ یہاں تیغ زن سے مراد محبوب ہے جس کے ناز و غمزہ کا وار کسی تلوار سے کم نہیں ہوتا۔ یہاں شاعر نے ردیف 'تمام' سے بھی کلام میں حسن پیدا کیا ہے جس کا مطلب ہے ختم یا خاتمہ۔

دیکھو تو چشم یار کی جادو نگاہیاں
بے ہوش اک نظر میں ہوئی انجمن تمام

چشم یار یعنی محبوب کی آنکھوں میں جادو ہی جادو ہے۔ تمام انجمن یعنی محفل کو بے ہوش کرنے کے لیے اس کی ایک نظر ہی کافی ہے۔ 'دیکھو تو' یہاں شاعر نے اپنی حیرت کے اظہار سے محبوب کی جادو بھری نگاہ کو اور پرکشش بنا دیا ہے۔ ایک تو محبوب کا حسن دوسرے جادو بھری یعنی خوبصورت و دلکش نگاہیں۔

اچھا ہے اہلِ جور کیے جائیں سختیاں
پھیلے گی یوں ہی شورشِ حبِّ وطن تمام

یہ شعر حسرتؔ کی سیاسی سرگرمیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اپنی باغیانہ، انقلابی اور پرجوش طبیعت کی وجہ سے کئی بار جیل گئے۔ حکومتِ برطانیہ کی ان پر کڑی نظر تھی اور انھیں طرح طرح سے پریشان کیا کرتی تھی۔ اسی لیے حسرتؔ کہتے ہیں کہ اہلِ جور یعنی ظلم وستم کرنے والے مجھ پر اور سختی کرتے جائیں۔ یہ وطن کے حق میں اچھا ہوگا۔ اگرچہ مجھے اس سے پریشانی اور تکلیف ہوگی لیکن میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ وطن کی محبت کی آگ اور پھیلے گی اور زیادہ سے زیادہ لوگ آزادی کی تحریک میں حصہ لیں گے۔ جس قدر لوگ اس میں شامل ہوں گے اسی قدر یہ تحریک طاقت ور ہوتی جائے گی۔

سمجھے ہیں اہلِ شرق کو شاید قریبِ رگ
مغرب کے یوں ہیں جمع یہ زاغ و زغن تمام

یہ شعر بھی حسرتؔ کے سیاسی شعور کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ حسرتؔ کا زمانہ آزادی کی جدوجہد اور مشرقی و مغربی تہذیبوں کے ٹکراؤ کا زمانہ ہے۔ حسرتؔ اس شعر میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حکومتِ برطانیہ یعنی مغرب کے لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اہلِ شرق یعنی مشرقی تہذیب کے پروردہ اور پیروکار شاید اب مرنے کے قریب ہیں۔ اسی لیے مغرب کے چیل اور کوّے ایک جگہ جمع ہوگئے ہیں کہ مرنے کے بعد یہ ہماری خوراک اور لقمہ بننے والے ہیں۔

شیرینیِ نسیم ہے سوز و گدازِ میر
حسرتؔ ترے سخن پہ ہے لطفِ سخن تمام

حسرتؔ نے اس شعر میں تعلّی سے کام لیا ہے۔ یعنی اپنی شاعری کی خوبیاں بیان کی ہیں۔ اپنے کلام کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ اس میں ان کے استاد کے استاد نواب اصغر علی خاں نسیم دہلوی کے کلام کی شیرینی اور میرؔ کا سوز و گداز سبھی کچھ موجود ہے۔ گویا جس کے کلام میں یہ خوبیاں ہوں اس کی شاعری پر لطفِ سخن تمام یعنی ختم ہو جاتا ہے۔ حسرتؔ کا خیال ہے کہ ان کے بعد کی جانے والی شاعری میں کوئی لطف نہیں رہے گا۔

23.4 آپ نے کیا سیکھا

1۔ حسرت کا سوانحی خاکہ اور ان کی سیاسی زندگی کا پتا چلتا ہے۔

2۔ حسرت کی شاعری کے موضوعات کا اندازہ ہوتا ہے۔

3۔ حسرت کے اسلوب کی خصوصیات سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

4۔ حسرت کی تین غزلوں کی تشریح سامنے آتی ہے۔

5۔ حسرت کے ہم عصروں میں ان کا درجہ متعین ہوتا ہے۔

23.5 اپنا امتحان خود لیجیے :

1۔ علی گڑھ میں حسرتؔ کی علمی گرمیاں کیا تھیں؟

2۔ پہلی غزل کے قافیہ اور ردیف کی نشان دہی کیجیے۔

3۔ دوسری غزل کے مطلع اور مقطع کی نشان دہی کیجیے۔

4۔ تیسری غزل کی ردیف 'تمام' ہے جو پورا، کامل یا کل کے معنی میں استعمال ہوتی ہے لیکن دو اشعار میں اسے خاتمہ یا ختم کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ ان اشعار کی نشان دہی کیجیے۔

5۔ دوسری غزل کے کئی ایک شعر کی تشریح کیجیے۔

23.6 فرہنگ

خود بین	=	خود کو دیکھنے والا، اپنی ذات پر نظر رکھنے والا
خود آرا	=	خود کو سجانے، سنوارنے والا
شکیبا	=	صبر کرنے والا، قرار آنا
سرگرم نیاز	=	عاجزی کا اظہار کرنا
مہر	=	سورج
منور	=	روشن
ناز کرنا	=	غرور کرنا، فخر کرنا
خرد	=	عقل

کرشمہ ساز	=	ادائیں دکھانے والا، اشارے کرنے والا
اربابِ امتیاز	=	امتیازی یا نمایاں حیثیت رکھنے والا لوگ
فراغ	=	فرصت
دل نواز	=	دل کو تسلی دینے والا، دل کو خوش کرنے والا
سزاوار	=	لائق، مستحق
سرفراز کرنا	=	عزت افزائی کرنا، سربلند کرنا
اضطراب	=	بے چینی
پیرہن	=	لباس
تیغ زن	=	تلوار چلانے والا
اہل جور	=	ظلم وستم کرنے والے لوگ
شورش	=	اُودھم، غل فساد
مرگ	=	موت
زاغ	=	کوّا
زغن	=	چیل
سوز	=	جلن
گداز	=	پگھلاہٹ، پگھلانے والا

23.7 سوالوں کے جوابات :

1۔ حسرتؔ موہانی نے علی گڑھ کے M.A.O. College سے ایف۔ اے۔ اور بی۔اے۔ کیا۔ وہ اپنی صلاحیتوں کی بنا پر بہت جلد وہاں کے علمی و ادبی حلقوں میں مقبول ہو گئے تھے۔ وہ کالج یونین کے جلسوں میں تقریریں کرتے، مباحثوں میں حصہ لیتے اور غزلیں پڑھتے تھے۔'انجمن اردوئے معلّٰی' کے ناظم رہے۔'اردوئے معلّٰی' کے نام سے رسالہ جاری کیا اور کئی سال تک پابندی سے نکالتے رہے۔ دوسروں سے مضامین لکھواتے اور خود لکھتے۔

2۔ پہلی غزل کے قافیہ آرا، تمنا، شکیبا، بے جا، دریا وغیرہ ہیں۔ 'کر دیا' اس غزل کی ردیف ہے۔

3۔

ترے کرم کا سزاوار تو نہیں حسرتؔ
اب آگے تیری خوشی ہے جو سرفراز کرے

یہ مقطع ہے اور مطلع ہے :

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبیِ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

-4

شیرینیِ نسیم ہے سوز و گداز میر
حسرت ترے سخن پہ ہے لطفِ سخن تمام

-5

دلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ تیری محبت سے پیداشدہ دیوانگی نے میرے دل کو دونوں جہان کے غموں سے نجات دلا دی ہے۔ یہ دیوانگی اب مجھ پر اتنی حاوی ہوگئی ہے کہ دنیا جہان کے غموں کی اب میرے نزدیک کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اب خدا سے یہی دعا ہے کہ میرے دل میں تیری محبت اور چاہت کا یہ سلسلہ، یہ دیوانگی طویل سے طویل تر ہو جائے۔

23.8 کتب برائے مطالعہ :

1۔	اردو شاعری پر ایک نظر۔ حصہ دوم	کلیم الدین احمد
2۔	حسرت موہانی	مرتبہ ثریا حسین
3۔	آج کل نئی دہلی 'حسرت موہانی نمبر'	اگست ستمبر۔ 1981
5۔	مولانا حسرت موہانی	ڈاکٹر اسلم فرخی